ĪQĀN- Vol: 02, Issue: 03, Dec 2019
DOI: 10.36755/iqan.v2i03.100 PP: 1-26

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

سیاسی وسماجی معاملات میں احساسِ ذمہ داری: سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں تعمیری مطالعہ

Sense of Responsibility in Political and Social Cases: Constructive Study in the light of Seerah

***Abdul Rauf**
Lecturer, National College of Business and Economics, Multan, Pakistan.

****Syeda Ayesha Rizvi**
PhD. Scholar, Institute of Islamic Studies,
University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

****Khalil Ur Rahman**
PhD. Scholar, Department of Aqidah & Philosophy,
Islamic international University, Islamabad, Pakistan.

VERSION OF RECORD
Received: 27-Aug-19 **Accepted**: 12-Nov-19
Online/Print: 27-Dec-19

ABSTRACT

Islam readily being a natural religion provides a complete code of conduct to human being. According to Islam, concept of state, the sense of responsibility has too much importance. The essence of responsibility gives birth to social progress and success. Contrary to this, societies and nations, who are irresponsible and insincere cannot achieve their set goals and targets. It is crystal clear in teachings of Muhammad (PBUH) that Islam has given the supreme idea of responsibility in every aspect of life, which proves the way for a progressive society. Conduct of responsibility is the first and foremost pillar of Islam. In current era lack of training results in attraction of individual and collective mindset. The sense of responsibility is in fact the foundation of an Islamic state according to the teachings of Prophet Muhammad (PBUH). The sense of responsibility in education, politics, economics and social areas can bring pleasant change and real success. The idea of responsibility is of utmost significance according to modern trends of affairs. Therefore, the foundation is laid for a progressive and modern state owing to responsibility the light of Seerat-e-Nabi.

***Keywords**: Sense, Responsibility, Insincere, Seerat, Political, Social.*

To Cite this Article:

Rauf, A., Rizwi, S. A., & Rahman, K. ur. (2019). URDU: سیاسی و سماجی معا ملات میں احساسِ ذمہ داری: سیرۃ النبیﷺ کی روشنی میں تعمیری مطالعه. ĪQĀN, 2(03), 1-26.

CC BY

تعارف:

سیرت رسول اکرم ﷺ انسانیت کیلئے وہ ابدی اور عالمگیر ہدایت و راہنمائی ہے جو دنیوی و اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ مطالعہ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تیرہ سال کے قلیل عرصہ میں بہترین حکمت عملی اور قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت غیر مہذب اور منتشر افرادِ معاشرہ کو ایک لڑی میں پرو دیا اور اس وقت کی عظیم سلطنتوں کے مقابلہ میں معاشی، سماجی اور قانونی لحاظ سے بہترین مقام عطا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاستِ مدینہ آج بھی جدید اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کیلئے بہترین رول ماڈل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جہاں افرادِ معاشرہ کی بہترین تربیت کی وہیں اُن افراد میں معاشرہ کی فلاح و بہبود اور ترقی کیلئے احساسِ ذمہ داری کا شعور اور جذبہ بھی اجاگر کیا جس کی بدولت رعایا اور راعی اپنے اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ یہاں پر اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ احساس ذمہ داری کا تعلق صرف معاشرتی و ریاستی معاملات کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر جب احساس ذمہ داری کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو یہ ہی سمجھا جاتا ہے کہ شاید احساس ذمہ داری کا تعلق صرف حکومتی و معاشرتی معاملات کے ساتھ ہے بلکہ عبادات کے اندر بھی احساس ذمہ داری کا کردار بہت اہم ہے اگر احساس ذمہ داری ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی بجاآوری آسان ہو جائے گی۔ اب اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ کون سی ہدایات اور تعلیمات تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت کی اور وہ معاشرے کے ایک ذمہ دار فرد اور ریاست کے ایک ذمہ دار شہری بنے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات کو جان لینے سے احساسِ ذمہ داری کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا زندگی کے ہر شعبہ میں کتنا اہم کردار ہے۔

موجودہ زمانے میں ہم بھی ایک صحت مند فلاحی ریاست کا قیام چاہتے ہیں اور یہ جدید فلاحی اسلامی ریاست کا قیام تب ہی ممکن ہے جب ریاستِ مدینہ کے اصول و قوانین کو مد نظر رکھا جائے۔ اور ریاست حکمران کا نام نہیں ہے بلکہ ایک کامیاب ریاست اپنے اداروں سے وجود میں آتی ہے اور ان اداروں کی مضبوطی سے ریاست ترقی کرتی ہے اور ایسے افراد سے مشروط ہوتی ہے جو فرض شناس اور احساس ذمہ داری کے حامل ہوں۔ عصر حاضر میں بھی جس ملک کے ادارے جتنے مضبوط اور فعال ہیں وہ ملک پوری دنیا میں ترقی یافتہ شمار کیے جاتے ہیں اور اگر لوگ فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے عاری ہوں تو وہ ملک ہمیشہ دوسروں کے محتاج اور ظاہری آزادی کے باوجود ذہنی غلامی کا شکار رہتے ہیں۔

احساسِ ذمہ داری کا مفہوم:

احساسِ ذمہ داری دو الفاظ کا مجموعہ ہے، احساس اور ذمہ داری۔ یہ دونوں اردو زبان کے الفاظ ہیں جس کے معانی کفالت، ضمانت، فرض شناسی اور جواب دہی ہیں، یعنی تمام شعبہ حیات میں حقوق و فرائض کی بجاآوری کو بطریق احسن، بشری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، ادائیگی میں کوئی کمی باقی نہ چھوڑنا احساسِ ذمہ داری کہلاتا ہے۔[1]

---

[1] مقبول احمد، **جامع لغت علم التعلیم**، (علمی کتب خانہ: لاہور، ۲۰۰۷ء)، ص: ۲۲۳

انگریزی زبان میں احساسِ ذمہ داری کیلئے (Sense of Responsibility) اور (Obligation) کے الفاظ مستعمل ہیں۔ در حقیقت ذمہ داری کا احساس یا احساسِ ذمہ داری ایک خاص ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ یہ کیفیت انسانی اعصاب پر تب سوار ہوتی جب وہ کسی کام کے بارے سخت بے چینی محسوس کرتا ہے اور مسلسل فکر مند رہتا ہے اور وہ کیلئے اپنی توجہ کسی دوسری طرف کرنا محال ہو جاتا ہے، تا آنکہ وہ اپنے فرائض کو بجالائے۔ احساسِ ذمہ داری، جواب دہی اور محاسبہ نفس، خود احتسابی اور جزا و سزا کا عمل ایسے الفاظ ہیں جن میں ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی بطریق احسن سر انجام دینا شامل ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام نے افرادِ معاشرہ کو ہر ایک حیثیت میں راعی قرار دیا ہے۔[1] "راعی" کا معنی چرواہا، نگہبان، محافظ اور حاکم ہے جبکہ "رعیت" وہ ہے جس کی وہ حفاظت کرے، اور خوب الفت و محبت سے پیش آئے۔ ان معانی کے لحاظ سے "راعی" کا لفظ کسی بھی معمولی سے معمولی کام کا ذمہ دار، افسر، حکومت کی انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ، وزیر اعظم، صدر مملکت، بادشاہ اور خلیفہ سب کو عام ہے اور ان کے ماتحت ان کے دائرہ اختیار تک کے لوگ ان کی رعایا ہیں۔ احادیث نبوی میں بھی اس لفظ کے لغوی معنی کے عموم کی رعایت کی گئی ہے اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے ذمہ دار پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

احساسِ ذمہ داری سے متعلق قرآنی احکامات:

اسلام اجتماعی زندگی چاہتا ہے جو فطرت کا تقاضا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں ہر فرد کو ذمہ داری کا احساس ہو۔ چونکہ تمام انسان بہ حیثیت انسان ذمہ دار ہیں اور اُن سے اِن کی رعیت (ماتحت افراد) کے سلسلے میں باز پرس ہو گی۔ لہٰذا قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف حیثیات سے انسان کی ذمہ دارانہ ہستی کو بیان کیا گیا ہے اور بے توجہی، کاہلی، بے مقصدیت اور غیر ذمہ داری کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اجاگر کرتے ہوئے جواب دہی سے متعلق ارشاد ہے:

"أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى"[2]

"کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ اسے اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟"

یہ آیت اور اس سے پہلی والی آیات اصل میں تو ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن یہ آیت خاص ہونے کے ساتھ ساتھ عام بھی ہے اگرچہ اصل میں اس سے مراد تو وہ خاص کافر ہے لیکن اس کے الفاظ اور حکم عام ہے چنانچہ ہر انسان کو شامل ہے۔ اس آیت سے احساس ذمہ داری کی اہمیت ثابت کرتے ہوئے طبری نے ابن وہبؒ کے حوالے سے جو قول پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"الذي لا يفترض عليه عمل ولا يعمل"[3]

"(سدیٰ سے مراد) وہ شخص ہے جس پر نہ تو کوئی ذمہ داری عائد کی جائے اور نہ ہی وہ کام کرے"

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۲۴۲۹

[2] القیامہ: ۳۶

[3] طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان فی تاویل القرآن**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، ۲۴: ۸۳

گویا کہ انسان کا یہ گمان ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا گیا ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ! حالانکہ ایسا نہیں۔ اس آیت سے ذمہ داری کی اہمیت اور اس کے احساس کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا ہے۔ تو اب سوال یہ تھا کہ جو ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے اور جو نہیں کرتا تو کیا ان سے کوئی پوچھنے والا بھی ہے تو اس کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

''فَوَ رَبِّكَ لَنسْأَلَنَّهُم أَجمَعِينَ عمّا كانوا يَعْمَلُونَ''[1]

''آپ کے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سے ان کے کاموں کے بارے میں ضرور سوال کریں گے جو وہ کرتے رہے ہیں''

اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرکے کوئی ظلم نہیں کر رہے کیونکہ اس کائنات میں سب سے بڑی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کا عظیم حکم اور وحی ہے جس کو پہلے اللہ تعالی نے زمین وآسمان پر پیش کیا تو انہوں نے اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے معذرت کر لی تو انسان نے اپنی چاہت سے اس عظیم ذمہ داری کا بار اٹھایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

''إِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا''[2]

''ہم نے بارِ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے روبرو پیش کیا، مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا''

ایک رائے کے مطابق یہاں امانت سے وہ ذمہ داریاں اور فرائض مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبریؒ نے سعید بن جبیرؒ کے حوالے نقل کیا ہے :

''الأمانة:الفرائض التي افترضها الله على العباد''[3]

''اس آیت میں امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا''

یقیناً اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جو ذمہ داریوں کا بار اٹھانے اور ان سے بہ حسن وخوبی سبکدوش ہو جانے میں انسان کی ہم سری کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں وہ صلاحیت واستعداد پیدا فرمائی ہے جس کی بدولت وہ ان ذمہ داریوں کو نہ صرف برداشت کر سکتا ہے بلکہ احسن طریقے سے انجام بھی دے سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان، کو جو ذمہ داری اور فرائض کی ادائیگی میں سب سے زیادہ محتاط اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

'' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ ''[4]

---

[1] الحجر:۹۱-۹۲

[2] الاحزاب:۷۲

[3] طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ۲۰:۳۳۶

[4] الحشر:۱۸

"اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اُس نے کل کیلئے آگے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو"

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ بہت صراحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں:

"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ "[1]

"کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم عبث یعنی فضول پیدا کیے گئے ہو اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے"

درج بالا آیاتِ قرآنیہ میں واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بے مقصد اور بیکار نہیں بنایا بلکہ عبادت جیسے عظیم مقصد کے ساتھ ساتھ محاسبہ نفس اور سزا و جزا کا تصور دے کر احساسِ ذمہ داری کے رجحان اور رویہ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جبکہ غیر ذمہ داری، غیر سنجیدگی اور لایعنی زندگی سے متعلق سخت الفاظ میں تنبیہ بھی کی ہے۔

احساسِ ذمہ داری سے متعلق ارشاداتِ نبوی ﷺ:

تعلیماتِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوامِ عالم کی تاریخ میں ایسی نظیر موجود نہیں کہ قلیل عرصہ میں ذمہ دار افراد پر مشتمل ریاست وجود میں آئے جن میں احساسِ ذمہ داری بنیادی وصف کے طور پر شامل ہو، یہی وجہ ہے کہ ریاستِ مدینہ راعی سے رعایا تک سبھی ذمہ دار اور جواب دہ تصور کیے جاتے تھے جس کی عملی نظائر بھی کتبِ سیرت و تاریخ میں موجود ہیں۔ ریاستِ مدینہ میں احساسِ ذمہ داری کا یہ جذبہ درحقیقت رسول اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کا نتیجہ تھی۔ ذیل میں احساسِ ذمہ داری سے متعلق کچھ ارشاداتِ نبویہ ﷺ پیش کیے جاتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[2]

"تم میں سے ہر ایک راعی و نگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ امام لوگوں کا راعی ہے تو اس سے اس کے زیر نگرانی اشخاص و رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔ آدمی اپنے گھر والوں کا راعی ہے اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بال بچوں کی نگراں و راعی ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی اور غلام یا نوکر خادم اپنے آقا کے مال و اسباب کا نگہبان ہے۔ اس سے اس کا محاسبہ ہوگا، تو باخبر رہو، تم میں کا ہر شخص راعی و نگہبان ہے اور سب سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا"

[1] المومنون: ۱۱۵

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۱۰۵۷

حدیث بالا میں وارد "امام" کا لفظ صدر مملکت، سلطان، خلیفہ سب کو عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہ، وزیر، عورت، نوکر چاکر، غلام سب کو اپنے اپنے دائرہ اختیار کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور ہر کسی سے اس کے ماتحت افراد و معاملات کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کریں گے۔ حکمرانوں کے لئے رعایا کے حقوق اور احساسِ ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانِ نبوت کے الفاظ یوں ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جسے رعایا کا حاکم و نگہبان بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اپنی رعایا کے ساتھ غداری کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا"[1]

اسلام کا تصورِ ذمہ داری اور جواب دہی محض حکمران اور بر سرِ اقتدار طبقہ تک محدود نہیں بلکہ عوام الناس رعایا اور محکوم اور ملازم پیشہ طبقہ کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اجیر، ملازم اور خادم کی ذمے داریوں کو ایک جملے میں بیان فرمایا:

"خادم اپنے مالک کے مال سے متعلق جوابدہ ہے اور اُسے اس کی ذمہ داری سے متعلق پوچھا جائے گا"[2]

یعنی خادم خواہ محنت کش ہو یا ملازم اپنے آقا کے مال اور اس کی طرف سے سپرد کی ہوئی خدمات میں امین اور نگران ہے اور قیامت میں اس سے دریافت کیا جائے گا کہ کتنا حق ادا کیا اور کتنی حق تلفی کی جیسا کہ حدیث میں ہے:

"جو آدمی دس آدمیوں پر بھی نگران بنا دیا گیا، قیامت کے دن اس طرح پیش کیا جائے گا کہ اس کے ہاتھ گردن پر بندھے ہوں گے، پھر اس کا عدل اسے چھڑائے گا یا اس کا ظلم اسے عذاب شدید میں ڈال دے گا"[3]

احساس جوابدہی کا یہی وہ احساس تھا جس نے صحابہ کرامؓ کو ذمہ دار شخصیت بنا دیا، جو تمام انسانیت کے لیے نمونہ ہدایت قرار پائے۔ ریاستِ مدینہ کے قائد نبی کریم ﷺ نے خندق کی کھدائی میں خود حصہ لیا۔ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین میں احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ وہ رعایا کے احوال سے نہ صرف باخبر رہتے تھے بلکہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود پر غلے کا بوجھ اٹھا لیتے تھے، راتوں کو سونے کی بجائے گشت کرتے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

"میں ایک باغ میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ عمرؓ (خود سے مخاطب ہیں) کہہ رہے تھے: عمر، خطاب کا بیٹا، امیر المومنین کا منصب، واہ کیا خوب، اے عمر اللہ سے ڈر ورنہ تجھے سخت عذاب ہوگا"[4]

درج بالا ارشاداتِ نبویہ ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام حاکم اور محکوم، غلام و آقا مرد و عورت کیلئے ذمہ داری کا وسیع تصور پیش کرتا ہے جس سے انفرادی و اجتماعی رویوں میں نظم و ضبط، خود احتسابی، جواب دہی اور انسانی فکر کو منظم کرنے اور فلاحی ریاست کے قیام کیلئے راہیں متعین ہوتی ہیں۔

---

[1] قشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۳۴۵ ۲

[2] بخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۰۵۷

[3] بیہقی، احمد بن حسین، **شعب الایمان**، (ریاض: مکتبۃ الرشد، ۲۰۰۳ء)، حدیث: ۲۵۴۱

[4] سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، **تاریخ الخلفاء**، (مترجم: اقبال الدین احمد)، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص: ۱۰۲

اسلامی ریاست اور احساسِ ذمہ داری:

اسلام معاشرتی نظم میں اجتماعیت کا علمبردار ہے کیونکہ انسان فطرتی طور پر دوسرے انسانوں کیساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ معاشرتی زندگی کیلئے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ باہمی اتفاق و اتحاد کی خاطر منظّم ضابطہ کے تحت زندگی گذاریں۔ احساسِ ذمہ داری، نظم و ضبط اور جواب دہی ایسے مثبت رویے ہیں جن کا جذبہ معاشرے کی بقا اور دائمی امن و سلامتی کیلئے ضروری ہے وگرنہ معاشرے بدامنی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں انسان اپنے احساس ذمہ داری سے عاری ہو گیا ہے جس کی وجہ سے معاشرتی امن کی جگہ خود غرضی، غیر سنجیدگی اور مفاد پرستی کا رجحان عام ہے۔ اسلام معاشرتی زندگی میں نہ صرف احساسِ ذمہ داری کے رجحان کو فروغ دیتا ہے بلکہ اسلامی عقائد اور عبادات کا اہم مقصد بھی انسان میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھانا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے قول و فعل کی رعایت نہ کرنے اور عہد کی پاسداری نہ کرنے پر سخت وعید بیان کی۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے:

''لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ''[1]

''اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو اور اُس شخص میں دین کا پاس نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں''

محاسبہ نفس اور جواب دہی کا احساس افرادِ معاشرہ کو ذمہ دار بننے میں مدد کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تربیت میں احساسِ ذمہ داری کو بیدار رکھنے کیلئے نصائح فرماتے۔ چنانچہ ابو برزۃ الاسلمیؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس: عن عمره فيما أفناه وعن شبابه فيما أبلاه وماله من أين اكتسبه وفيما أنفقه وماذا عمل فيما علم''[2]

''روز قیامت ابن آدم کے پاؤں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے پاس سے نہیں کھسک سکیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے پوچھ گچھ نہ کر لی جائے گی، اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی؟ اپنی نوجوانی کہاں کھپائی؟ مال کہاں سے اور کیسے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟''

درج بالا حدیث سے واضح ہے کہ انسان کی پیدائش محض اتفاق یا فطرتی عمل کا تسلسل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے دنیا میں ایک خاص مقصد کیلئے بھیجا گیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق انسان زندگی سے متعلق پانچ اہم امور میں جواب دہ ہے لہٰذا اُسے زندگی گذارنے، مال کمانے، اور مال خرچ کرنے میں بھی اپنی من مانی کی بجائے شریعت کی تعلیمات کا پابند بنایا گیا ہے۔ معاشرے میں احساسِ ذمہ داری کا یہ جذبہ امن و عامہ کے قیام، عدل و انصاف کے قیام اور قانون کی بالادستی کیلئے مدد و معاون ہے۔

---

[1] بیہقی، احمد بن حسین، **شعب الایمان**، حدیث: ۴۰۴۵

[2] ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسی، **السنن**، (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۵ء)، حدیث: ۲۴۱۷

اسلامی اصول سیاست و ریاست کے مطالعہ سے واضح ہے احساسِ ذمہ داری، حقوق و فرائض کی بجاآوری اور تعاون باہمی بنیادی اخلاقی اقدار میں شامل ہیں جو فلاحی ریاست میں نظم وضبط قائم کرنے میں مدومعاون ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر اثر قائم ہونے والی ریاستِ مدینہ میں حکمران و رعایا احساسِ ذمہ داری کا بہترین نمونہ تھے۔ عصر حاضر میں سیرت النبی ﷺ اور اسلامی تعلیمات سے انحراف واعراض کی وجہ سے معاشرہ میں تربیت اور نظم وضبط کا فقدان ہے، اور علمی، سیاسی اور معاشی میدان میں اقوامِ عالم کی قیادت کرنے والی امت زوال پذیر ہے۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ اسوہ حسنہ ﷺ اور اسلامی تعلیمات کو ریاستی سطح پر لازم قرار دیا جائے تاکہ احساسِ ذمہ داری کیساتھ امتِ مسلمہ دوبارہ اقوامِ عالم کی قیادت کرے۔

ذیل میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ممدو معاون شعبہ جات تعلیم، سیاست، معاشرت، معیشت، قیادت، مذہب اور ابلاغیات میں حکمران و رعایا کیلئے احساسِ ذمہ داری کی اہمیت اور کردار کو بیان کیا جارہا ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کن شعبہ جات میں احساسِ ذمہ داری جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ممدو معاون ہے:

ا۔ تعلیم و تربیت اور احساسِ ذمہ داری:

تعلیم اقوام کی مادی و روحانی زندگی کی روح رواں ہوتی ہے کسی قوم کا نظامِ تعلیم جس قدر مضبوط، مستحکم اور دینی اصولوں سے ہم آہنگ، جاندار و قوی ہوگا وہ قوم اتنی ہی مضبوط اور طاقتور ہوگی اور ترقی، کامیابی و کامرانی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوگی۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ میں تعلیم کے فروغ اور اہل علم کی سرپرستی کیلئے مناسب اقدامات کرے۔ اسلام کا تصورِ تعلیم اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ پہلی آسمانی وحی علم سکھانے کی ترغیب اور اہمیت پر مشتمل تھی۔ رسولِ کامل ﷺ نے خود کو پیشہ معلّمی سے منسلک کرکے علمی فوقیت و عظمت کو واضح کردیا۔

اسوہ حسنہ ﷺ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کی تشکیل میں علم ودانش کا کردار نمایاں تھا۔ اس عظیم ریاست میں تعلیم کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا اور دور دراز کے علاقوں میں تعلیمی سرگرمیوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف باقاعدہ وزیر تعلیم مقرر ہوتے تھے جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حضرت اسید بن حضیرؓ کے ساتھ پہلے مکہ مکرمہ میں معلم و مربی بنا کر بھیجا تھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذؓ کو یمن میں حضرت ابوموسی اشعریؓ کے ساتھ اسی سلسلہ میں روانہ فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ کو مضبوط بنانے میں تعلیم کا بنیادی عمل دخل تھا اور رسول اللہ ﷺ کا تعلیم و تعلم کے ساتھ خصوصی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تعلیم اور اس کے لیے سہولیات فراہم کرنا یہ ریاست اور صاحب ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے:

" أن رسول الله ﷺ خلف معاذ بن جبل بمكة حين وجههم إلى حنين يفقه أهل مكة ويقرئهم القرآن"[1]

"رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو مکہ کا گورنر بنایا جس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

[1] ابن عساکر، علی بن الحسین، **تاریخ دمشق**، (بیروت: موسسہ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، ۵۸:۴۰۷

کو حنین کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اور معاذؓ کو (روانگی کے وقت) حکم دیا کہ وہ اہل مکہ کو فقہ کی تعلیم دیں اور ان کو قرآن پاک پڑھائیں"

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا وَأَبَا مُوسَى إِلَى الْيَمَنِ وَأَمَرَهُمَا أَنْ يُعَلِّمَا النَّاسَ الْقُرْآنَ"[1]

"رسول اللہ ﷺ نے معاذ اور ابو موسی اشعری کو یمن کی طرف بھیجا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ لوگوں قرآن پاک کی تعلیم دیں"

ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ تعلیم و تعلم کا بندوبست ریاست کی ذمہ داری ہے اب یہ بات کہ جن صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم و تعلم کی ذمہ داری سونپی تو انہوں نے اس ذمہ داری کو پورا کیسے کیا؟ اس سے ہمیں پتہ چلے گا کہ تعلیمی میدان میں احساس ذمہ داری کی اہمیت کیا ہے، ابو نعیم الاصبہانی نے "حلیۃ الاولیاء" میں رجاء بن حیوۃؒ سے حضرت معاذ بن جبلؓ کا خطبہ نقل کیا ہے جس میں وہ لوگوں کو تعلیم و تعلم کی انتہائی مؤثر انداز میں ترغیب دے رہے ہیں اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ میں احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کا مادہ کس حد تک پایا جاتا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:

" تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ: فَإِنَّ تَعَلُّمَهُ لِلَّهِ تَعَالَى خَشْيَةٌ، وَطَلَبَهُ عِبَادَةٌ، وَمُذَاكَرَتَهُ تَسْبِيحٌ، وَالْبَحْثَ عَنْهُ جِهَادٌ، وَتَعْلِيمَهُ لِمَنْ لَا يَعْلَمُ صَدَقَةٌ، وَبَذْلَهُ لِأَهْلِهِ قُرْبَةٌ: لِأَنَّهُ مَعَالِمُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَمَنَارُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَالْأُنْسُ فِي الْوَحْشَةِ، وَالصَّاحِبُ فِي الْغُرْبَةِ، وَالْمُحَدِّثُ فِي الْخَلْوَةِ، وَالدَّلِيلُ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ، وَالسِّلَاحُ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَالدِّينُ عِنْدَ الْأَخِلَّاءِ، يَرْفَعُ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ أَقْوَامًا، وَيَجْعَلُهُمْ فِي الْخَيْرِ قَادَةً وَأَئِمَّةً، تُقْتَبَسُ آثَارُهُمْ، وَيُقْتَدَى بِفِعَالِهِمْ، وَيُنْتَهَى إِلَى رَأْيِهِمْ، تَرْغَبُ الْمَلَائِكَةُ فِي خِلَّتِهِمْ، وَبِأَجْنِحَتِهَا تَمْسَحُهُمْ، يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ، حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ وَهَوَامُّهُ، وَسِبَاعُ الطَّيْرِ وَأَنْعَامُهُ، لِأَنَّ الْعِلْمَ حَيَاةُ الْقُلُوبِ مِنَ الْجَهْلِ، وَمِصْبَاحُ الْأَبْصَارِ مِنَ الظُّلَمِ، يَبْلُغُ بِالْعِلْمِ مَنَازِلَ الْأَخْيَارِ، وَالدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَالتَّفَكُّرُ فِيهِ يَعْدِلُ بِالصِّيَامِ، وَمُدَارَسَتُهُ بِالْقِيَامِ، بِهِ تُوصَلُ الْأَرْحَامُ، وَيُعْرَفُ الْحَلَالُ مِنَ الْحَرَامِ، إِمَامُ الْعُمَّالِ، وَالْعَمَلُ تَابِعُهُ، يُلْهَمُهُ السُّعَدَاءَ، وَيُحْرَمُهُ الْأَشْقِيَاءِ"[2]

"علم سیکھو کیونکہ اللہ کیلئے علم سیکھنا اللہ سے ڈرنا ہے۔ علم کو تلاش کرنا عبادت ہے اور اس کا آپس میں مذاکرہ کرنا تسبیح ہے اور (سمجھنے کیلئے) اس میں بحث کرنا جہاد ہے اور نہ جاننے والے کو سکھانا صدقہ ہے۔ اور اہل علم پر علم کا خرچ کرنا تقرب کا ذریعہ ہے کیونکہ علم کے ذریعے سے حلال و حرام معلوم ہوتا ہے اور علم جنت والوں کیلئے (جنت کے راستے کا) مینار ہے اور وحشت میں انس کا ذریعہ ہے اور سفر میں ساتھی، تنہائی میں بات کرنے والا، نفع و خوشی کے نقصان اور غم کے کاموں کو بتانے والا، دشمنوں کے خلاف ہتھیار اور دوستوں کے نزدیک انسان کی زینت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالی اس کے

[1] شیبانی، احمد بن حنبل، **المسند**، (بیروت: موسسہ الرسالہ، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۱۹۵۴۴

[2] اصبہانی، احمد بن عبداللہ، **حلیۃ الاولیاء**، (بیروت: مکتبہ الرشد، ۱۹۹۸ء)، ۱: ۲۳۸

ذریعے کچھ لوگوں کا بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں اور ان کو خیر کے کاموں میں امام بناتے ہیں۔ان کے طریقے کو لوگ اختیار کرتے ہیں اور ان کے کاموں میں ان کی اتباع کرتے ہیں اور ان کی رائے اور فیصلے پر سب مطمئن ہو جاتے ہیں۔فرشتے ان کی دوستی اور ان کے ساتھ رہنے کا شوق رکھتے ہیں اور اپنے پروں کو (برکت حاصل کرنے کیلئے) ان پر ملتے ہیں اور ہر طرح کی مخلوق ان کیلئے دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور دوسرے جانور اور خشکی کے درندے اور جانور بھی ان کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔کیونکہ علم دلوں سے جہالت کو نکال کر زندگی بخشتا ہے اور اندھیرے میں نگاہ کو بصیرت عطا کرتا ہے"

علمی میدان میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اور علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے قیدیوں سے مالی امداد کی بجائے علمی استفادہ کو ترجیح دی۔ریاستی سطح پر اہلِ علم کی سرپرستی اصحابِ صفہ کی صورت میں کی گئی، جبکہ علم کے حصول کو مسلمان مرد و عورت کیلئے یکساں ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"علم کا حصول ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے"۔[1]

نیز رسول اللہ ﷺ نے جدید علوم و فنون کی تعلیم کیساتھ ساتھ دیگر اقوام کیساتھ روابط کی خاطر خارجہ پالیسی کیلئے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہے کہ اسلامی ریاست اور نظامِ حکومت میں عہد نبوی ﷺ سے لیکر خلفائے راشدین اور دورِ بنوامیہ و بنو عباس تک مسلمانوں نے علم دوستی کو طرہ امتیاز بنایا۔علمائے کرام کی سرپرستی کی بدولت تدوین قرآن جیسا عظیم الشان کارنامہ حکومتی سرپرستی میں ہوا جبکہ: عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم پر ابن شہاب زہریؒ نے حدیث کو مدون کر کے محفوظ کیا گیا۔

مسلمان حکمرانوں اور علماء نے تعلیم و تربیت اور احساسِ ذمہ داری کے اس تعلق کو ہمیشہ سامنے رکھا۔چنانچہ بنو عباس نے اپنے دورِ حکومت میں بیت الحکمت کا قیام، جدید رصد گاہیں کی تیاری اور رہتی دنیا کیلئے تحقیق و دریافت کی نئی جہتیں متعارف کروائیں۔ان عظیم الشان علمی دریافتوں کے سبب آج کی جدید مہذب دنیا بھی مستفید ہو رہی ہے۔دینی علوم و فنون کیساتھ ساتھ جدید علوم و فنون، فزکس، کیمسٹری، ریاضی، معاشیات، سماجیات، سیاسیات، حیاتیات اور نباتات کی بنیاد فراہم کرنے میں بھی مسلمانوں کو اولین کا اعزاز حاصل ہے جو اس میدان میں احساسِ ذمہ داری کی بہترین مثالیں ہیں۔مغربی محقق مائیکل ہملٹن مورگن نے ان الفاظ میں کیا:

> *"Muslim astronomic and mathematical calculations will help drive massive computations one day done by thinking machines. Had they never lived, would astronomy and computation have evolved in quite the same way? What only recent research has shown is that…virtually all innovations in [astronomical] instrumentation in Europe up to CA. 1550 were either directly or indirectly Islamic in origin or had been conceived previously by some Muslim astronomer somewhere."*[2]

---

[1] ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، (بیروت: دار الفکر، ۲۰۰۵ء)، حدیث: ۲۲۴

[2] Michael, Hamilton Morgan, *Lost History*, (Washington: DC Publisher, 2008), p:149

"مسلمانوں کی فلکیاتی اور ریاضیاتی حسابات نے سوچنے والی مشینوں نے بڑے اور محال اعداد و شمار کی ایک آسان دائرے تک راہ ہموار کی۔ مسلمان نہ ہوتے تو کیا آج کی فلکیات و ریاضیات کے مسائل ایسے ہوتے؟ جدید تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ۔۔۔ فلکیات کے شعبے میں یورپ کو 1550ء تک جتنے فلکیاتی آلات مہیا ہوئے وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر مسلم ماہرینِ فلکیات سے تھے"

بد قسمتی سے جیسے ہی اسلامی ریاستیں روبہ زوال ہوئیں تو علمی ورثہ یورپ میں منتقل ہوا۔ اہل مغرب نے علمی نسبت ملنے کے ساتھ ساتھ مسلم فلاسفرز اور سائنس دانوں کی علمی تحقیق کو اقوامِ عالم کے سامنے یوں پیش کیا گیا گویا مسلمانوں کو اِن علوم و فنون کی مبادیات سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

عصر حاضر میں جدید اسلامی ریاست کے قیام کیلئے تعلیم کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری کا کردار نہایت اہم ہے اور اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہل علم کی سرپرستی کرے تاکہ علمی دنیا میں کھویا ہوا مقام حاصل کیا جائے۔ جامعات، مدارس، تحقیقی ادارے ،اساتذہ، طلبا اور تعلیمی اداروں کے منتظمین میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ ہی معاشرے میں حقیقی شعور اور تبدیل کا موجب ہے۔ اسلامی ریاست رعایا میں تعلیم کی ترویج اور خواندگی کی شرح میں اضافہ کیلئے ضروری اقدامات کرے تاکہ تعلیم کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں مسلمانوں کی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے دار ارقم جیسا ایک مرکز اور مدینہ میں اصحاب صفہ کی تعلیم اور قیام و طعام کیلئے ہنگامی بنیادوں پر صفہ کا چوترہ قائم کیا جس سے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی شرح خواندگی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔

۲۔ سیاست و امورِ حکومت میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے، وہیں اجتماعی زندگی کے زریں اصول بھی وضع کرتا ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ سیاست و حکمرانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف اور اس کے نقائص و مفاسد سے بالکلیہ پاک ہے۔ اسلامی جمہوری نظامِ حیات میں جہاں عبادات کی اہمیت ہے، وہیں معاملات و معاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے۔ اسوہ حسنہ کے مطالعہ سے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو بہترین اور شرعی سیاست سے روشناس کروایا جس کی بدولت حکومت، سیاست اور قیادت جیسے عظیم مناصب میں بھی احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اور سوچ پروان چڑھی۔ احساسِ ذمہ داری کے فروغ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کارفرما ہے کہ بحیثیت فرد، حکمران، رعایا، مرد و عورت اور آجر و اجیر سب جواب دہ ہیں اور روزِ قیامت اپنی ذمہ داری سے متعلق سب سے باز پرس کی جائے گی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ " فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[1]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۰۷۵

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگ اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ امیر اور خلیفہ ذمہ دار ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے سلسلے میں باز پرس ہو گی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری سے متعلق باز پرس ہو گی۔ خادم اپنے آقا کے ساز و سامان کا ذمہ دار ہے، اس سے اس کی نگرانی سے متعلق باز پرس ہو گی۔ پس ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔''

مزید رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کو خاص طور پر تاکید کی کہ وہ رعایا پر ظلم کرنے سے بچیں۔ چناچہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت یہ خصوصی نصیحت فرمائی:

'' قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى اليَمَنِ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ''[1]

''آپ ﷺ نے معاذؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حکام کو یہ خصوصی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی رعایا کے لیے آسانیاں پیدا کریں تنگی نہ کریں جیسا کہ مشہور حدیث ہے جسے شیخینؒ کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں:

''وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ: بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا''[2]

''رسول اللہ ﷺ جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو امور ریاست وغیرہ کے لیے بھیجا کرتے تھے تو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ (لوگوں کو) خوش خبریاں دینا، نفرت نہ پھیلانا۔ اور آسانیاں پیدا کرنا تنگی پیدا نہ کرنا''

عوام پر اگر کوئی ذمہ داری یا کوئی قانون لاگو کرنا ہو تو تدریجا کرنا حتی کہ اگر اسلام کی دعوت اور اسلامی احکام کا نفاذ بھی کرنا ہو تو اس میں تدریجاً اور یکے بعد دیگرے عوام پر بوجھ ڈالنا لیکن ایک دم سے ان پر بوجھ ڈالنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا:

''قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى اليَمَنِ: «إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ، فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ، فَإِيَّاكَ

[1] بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۴۹۶

[2] احمد بن حنبل، المسند، حدیث: ۱۹۵۷۲

وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ "[1]

"آپ ﷺ نے معاذؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: بے شک تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس آؤ گے چنانچہ جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کو شہادتین کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن ورات میں ان پر پانچ نمازوں کو فرض کیا ہے چنانچہ اگر وہ تمہاری اس حکم میں بھی اطاعت کرتے ہیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوۃ) کو فرض کیا ہے جو انہی کے امیر لوگوں سے لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کے عمدہ مال زکوۃ میں وصول کرنے سے اپنے آپ کو بچانا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اسکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے"

یہاں تک کچھ ان احادیث کو بیان کیا جن میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکام امور ریاست کو ان کی ذمہ داریاں اور ان کو انجام دینے کے بارے میں تعلیمات کا بیان تھا۔ ریاست اور حکمرانوں میں احساسِ ذمہ داری کا شعور بیدار کرنے کے بعد رعایا میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے درج ذیل حکم بہت معنویت رکھتا ہے:

"سأل سلمة بن يزيد الجعفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا نبي الله، أرأيت إن قامت علينا أمراء يسألونا حقهم ويمنعونا حقنا، فما تأمرنا؟ فأعرض عنه، ثم سأله، فأعرض عنه، ثم سأله في الثانية أو في الثالثة، فجذبه الأشعث بن قيس، وقال: اسمعوا وأطيعوا، فإنما عليهم ما حملوا، وعليكم ما حملتم"[2]

"سلمۃ بن یزید جعفیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر ہم پر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق روکیں تو ایسی صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو، ان کا کام وہ ہے جو انہیں سونپا گیا ہے اور تمہارا کام وہ ہے جو تمہیں سونپا گیا ہے"

مزید برآں عوام الناس اور رعایا کو حکمرانوں کیساتھ جنگ وامن، خیر وشر، تنگی وفراخی میں خیر خواہی کا حکم دیا گیا ہے تاکہ ریاست کے مفادات کا تحفظ یقینی بنایا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الدين النصيحة قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم" [3]

"دین تو نصیحت اور خیر خواہی ہے (صحابہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ کے لئے اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمان سربراہوں اور عوام کے لئے"

درج بالا فرمانِ نبوی ﷺ سے واضح ہے کہ حکمران و رعایا کیلئے خیر خواہی کے جذبات ایمان کا حصہ ہیں، کیونکہ احساسِ ذمہ داری کی بدولت ہی حکمران طبقہ رعایا کیلئے اور رعایا حکمرانوں کیلئے تعاون کی فضا ہموار کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ریاست اور

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۴۹۶

[2] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث: ۱۸۴۶

[3] ایضاً، حدیث: ۵۴

حکومت کے خلاف بغاوت اور حکومتی اختیارات کو چیلنج کرنے سے منع فرمایا اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف وعید سنائی اور ان کے خلاف کاروائی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:

”بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ:لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي وَقَبْرِي، وَقَدْ بَعَثْتُكَ إِلَى قَوْمٍ رَقِيقَةٍ قُلُوبُهُمْ، يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ،فَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مِنْهُمْ مَنْ عَصَاكَ، ثُمَّ يَفِيئُونَ إِلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى تُبَادِرَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا، وَالْوَلَدُ وَالِدَهُ، وَالْأَخُ أَخَاهُ، فَانْزِلْ بَيْنَ الْحَيَّيْنِ السَّكُونِ وَالسَّكَاسِكِ“[1]

”آپ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: شاید کہ تمہارا گزر میری قبر پر ہو میں نے تمہیں ایسی قوم کی طرف بھیجا ہے جن کے دل انتہائی نرم ہیں وہ حق کی خاطر لڑتے ہیں چناچہ جو اطاعت گزار ہوں ان کے ساتھ لے کر تم ان لوگوں سے قتال کرو جو تمہاری نافرمانی کریں یہاں تک کہ وہ اسلام کی طرف اس حال میں لوٹیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور بیٹا اپنے باپ سے اور بھائی اپنے بھائی سے جلدی اور سبقت کرے۔ (اور تم جب یمن پہنچو تو) دو قصبوں، سکون اور سکاسک کے درمیان اترو“

سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ احساسِ ذمہ داری میں یہ بھی شامل ہے کہ ریاست رعایا سے متعلق بدظنی اور اور منفی فکر نہ رکھے تاکہ حکمران اور رعایا میں اعتماد کا رشتہ برقرار ہے جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان الأمير اذا ابتغى الريبة في الناس أفسدهم“[2]

”ذمہ دار جب اپنے ماتحت لوگوں کی منفی ٹوہ میں رہتا ہے تو انہیں خراب کرلیتا ہے“

سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں مطالعہ واضح کرتا ہے کہ حکمران و رعایا پر اسلامی ریاست میں بہت سے ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی پاس داری ضروری ہے۔ ریاست کیلئے ضروری ہے کہ وہ عوام الناس کے حقوق کا خیال رکھیں جبکہ رعایا حکمرانوں سے خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوئے خیر خواہی کے جذبات رکھیں۔

۳۔ قیادت و مناصب میں احساسِ ذمہ داری:

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عہدہ و منصب کے سلسلے میں بھی اپنے ماننے والوں کو واضح رہنمائی کی ہے۔ قیادت اور عہدہ و مناصب سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ منصب و عہدہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آزمائش تصور کرتے کیونکہ شرعی اعتبار سے از خود کسی منصب یا عہدہ کا طلب کرنا ایک مستحسن فعل نہیں ہے رسول اکرم ﷺ نے از خود عہدہ و منصب طلب کرنے، اس کے لئے سفارش کروانے اور دل وجان سے اس کی خواہش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن و سنت کے مطابق از خود کسی سرکاری عہدے اور منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں ہے، اور شریعت کی نظر میں ایسا شخص مطلوبہ عہدے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ عہدہ و منصب کا از خود طلب گار اور خواہش مند احساسِ ذمہ داری اور عہدہ کی ذمہ داریوں کو

---

[1] طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، (قاہرہ: مکتبہ النھضۃ، ۱۹۹۸ء)، حدیث: ۱۷۱

[2] ابوداؤد، السنن، (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۴۸۸۸

معمولی تصور کرتا ہے لہٰذا شریعت عہدہ کی خواہش اور تقاضے سے منع کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ معمول گرامی تھا اگر کوئی از خود کسی عہدہ یا منصب کی خواہش کا اظہار کرتا، تو آپ ﷺ ایسے شخص کو آپ عہدہ دینے سے منع فرمادیتے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں:

"ایک دن میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مجھے کسی جگہ کا والی اور حاکم کیوں نہیں بنادیتے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ازرہ شفقت و محبت میرے کاندھے پر مارا اور فرمایا اے "ابوذر"! تم ناتواں اور کمزور ہو اور یہ حکومت وامارت ایک عظیم امانت ہے جس کی ادائیگی نہایت لازم وضروری ہے ورنہ تو یہ حکومت وسیادت قیامت کے دن باعث رسوائی وشرمندگی ہوگی الا یہ کہ اس کا حق پورا ادا کردے"[1]

از خود عہدہ طلب کرنے سے متعلق دوسری روایت میں ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں:

"ایک دن میں اور میرے چچا کی اولاد میں دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان میں سے ایک نے کہا یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا حاکم بنایا ہے، مجھ کو بھی کسی کام یا کسی جگہ کا والی وحاکم مقرر فرمادیجیے، اور دوسرے نے بھی رسول اللہؐ سے اسی طرح خواہش کا اظہار کیا ہے، رسول اکرمؐ نے فرمایا خدا کی قسم ہم اس شخص کو کسی کا والی اور حاکم نہیں بناتے جو اس کا از خود طالب ہوتا ہے اور نہ اس شخص کو کوئی ذمہ داری اور عہدہ دیتے ہیں جو اسکا حرص اور خواہش رکھتا ہو"۔[2]

قضا کے عہدہ میں میں چونکہ دیگر عہدوں ومناصب سے بڑھ کر ذمہ داری ہے لہٰذا قضا کے عہدہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من استقضی فکأنما ذبح بغیر سکین "[3]

"جس نے قضا کا عہدہ طلب کیا گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا"۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے معلوم ہوا کہ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں اول تو خود عہدہ کو طلب نہیں کرنا چاہیے اور اگر طلب کرلیا ہے یا خود اس پر ذمہ داری ڈال دی گئی ہے تو اب یہ ذمہ داری قبول کرنے کے بعد عہدہ کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے لہٰذا حکومت وامارت کی ذمہ داری کے لئے عوام میں خود کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا، عہدہ ومنصب کیلئے انتخابات میں خود امیدوار بننا اور عوام کی ذہن سازی کرنا محض اُسی کا انتخاب کیا جائے، اور انتخاب کیلئے اشتہار بازی، اپنی مدح سرائی، اور مخالف پارٹی کی برائی اور لوگوں میں نفرت پھیلانا غیر شرعی، غیر ذمہ دارانہ اور غیر اخلاقی عمل ہے۔ لیکن استثنائی صورتوں میں عہدہ اور منصب کی درخواست مباح بھی ہے جہاں اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر کوئی نااہل اور منصب کیلئے غیر موزوں بر سر اقتدار یا منصب ہوا تو ملک وملت کو نقصان پہنچائے گا، تو ایسی صورت میں از خود عہدے کا طالب ہونا اور قوم وملک کا نمائندہ بننے خواہش کا اظہار کرنا شرعاً جائز تصور کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یوسف

---

[1] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث: ۲۳۴

[2] ایضاً، حدیث: ۳۶۷

[3] حاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، حدیث: ۷۰۱۱

علیہ السلام نے خود عزیز مصر سے وزارت خزانہ کا عہدہ طلب کیا تھا:

''قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ''[1]

''یوسف علیہ السلام نے کہا کہ (اے عزیز مصر!) مجھے زمین (ملک) کے خزانوں پر نگران مقرر کر دیجیے بے شک میں بڑا اچھا نگران ہوں اور امانت دار بھی ہوں''

۴۔ سماجی مسائل میں احساسِ ذمہ داری:

پوری دنیا ظہورِ اسلام سے قبل سماجی سطح پر مختلف ناہمواریوں کا شکار تھی۔ کہیں نسلی منافرت اور طبقاتی کش مکش جاری تھی تو کہیں مرد و عورت کے درمیان تشدد اور افراط و تفریط پائی جاتی تھی۔ صنفِ نازک پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے تھے۔ انسان غلامی اور ظلم کی زنجیروں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ جانوروں کی طرح مجبورِ محض تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے اعلان کیساتھ ہی انسانیت کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا اور سماجی میدان میں بے شمار انقلابات برپا کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے افرادِ معاشرہ کی تربیت کے ذریعہ بیٹیوں کی پیدائش کو رحمت قرار دیا اور بیٹیوں کی پرورش کو جنت کی ضمانت سے مشروط قرار دیکر درحقیقت معاشرہ میں عورت کی پیدائش پر ناگواری اور نحوست کی غیر ذمہ درانہ سوچ کو ختم کیا۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت ذکر کی ہے:

''قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يَعُولُهُنَّ وَيَكْفِهُنَّ وَيَرْحَمُهُنَّ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ وَابْنَتَانِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: وَابْنَتَانِ ''[2]

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی کفالت و تربیت کرے اور ان کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آئے تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ تو صحابہ میں کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! اور اگر کسی کی دو بیٹیاں ہوں تو؟ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ دو ہوں (یعنی وہ ان کے ساتھ حسن سلوک والا معاملہ کرے تو اس کے لیے بھی جنت واجب ہے''

اسی طرح والدین کی خدمت، صلہ رحمی، ہمسائیوں کے حقوق سے متعلق تاکید اور ماتحتوں کیساتھ رحمدلی کا رویہ اپنانے پر ثواب اور انعامات کا تذکرہ فرما کر افرادِ معاشرہ میں یہ احساس پیدا کرنا تھا کہ سماجی حقوق کی ادائیگی اسلام میں کس قدر ضروری ہے۔ زوجین کا رشتہ سب سے زیادہ حساس نوعیت کا ہے جس میں احساسِ ذمہ داری سے ہی حقوق کی ادائیگی ممکن ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اہل خانہ سے اخلاق اور حسنِ سلوک سے پیش آنے پر معاشرے کا بہترین فرد قرار دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے امام بیہقیؒ حضرت عائشہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

[1] یوسف: ۵۵

[2] بیہقی، **شعب الایمان**، حدیث: ۱۰۵۱۳

" خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي "[1]

"تم میں سے سب سے بہترین وہ شخص ہے جو تم میں سے اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم میں سے سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں"

اس حدیث سے تو رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ کر دیا اور عورتوں کی ذمہ داری کیا ہے اس کے بارے میں حضرت معاذؓ کی حدیث ہے:

" أَنَّهُ لَمَّا رَجَعَ مِنَ الْيَمَنِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، رَأَيْتُ رِجَالًا بِالْيَمَنِ يَسْجُدُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ، أَفَلَا نَسْجُدُ لَكَ؟ قَالَ: لَوْ كُنْتُ آمِرًا بَشَرًا يَسْجُدُ لِبَشَرٍ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا "[2]

"جب وہ یمن سے واپس آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یمن میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں تو کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"

اس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عورت کی اپنے شوہر کے بارے میں ذمہ داری کیا ہے اور اس کا شوہر اس کے لیے کس حد تک مکرم وعزت والا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے جس میں فرضیہ انداز میں اگر کسی مخلوق کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو عورت کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں کا تعین کرکے امت کے لیے احساس ذمہ داری اور فرض شناسی کے پہلوؤں کو کتنی اہمیت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ چنانچہ سماجی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے افرادِ معاشرہ کو یہ باور کروایا کہ وہ ایک نظم وضبط کے تحت معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں افرادِ معاشرہ میں احساس ذمہ داری کو فروغ دیں کہ ملکی املاک، سرمایہ، دولت اور ملکی وقار کو مجروح کرنا ناجائز اور قابلِ مواخذہ امور ہیں جو ملکی قوانین کے بھی خلاف ہے اور یوم آخرت حقوق العباد کی معافی اور تلافی ممکن نہیں، لہٰذا ایسے جرائم سے اجتناب کا احساس برقرار رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح باقی سماجی معاملات میں معاشرے کے ہر فرد کی حقوق اور اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں تعلیمات دیں ایسے ہی رنگ ونسل، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر تقسیم کو غیر منصفانہ قرار دینے اور انسانیت کے بنیادی حقوق کو واضح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" يا أيها الناس إن ربكم واحد وأن أباكم واحد، كلكم لآدم وآدم من تراب لا فضل لعربي على أعجمي إلا بالتقوى "[3]

---

[1] بیہقی، **السنن الکبری**، حدیث: ۱۵۶۹۹

[2] احمد بن حنبل، **المسند**، حدیث: ۲۱۹۸۶

[3] ایضاً، حدیث: ۲۲۹۷۸

"اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ بے شک عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر۔ اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں اور کالے کو گورے پر، سوائے تقویٰ کے"

اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں تقویٰ کے معیار اور معاشرے میں رنگ، نسل اور مال و دولت، قرابت و رشتہ داری کی بنا پر تقسیم کی بھرپور مذمت کی ہے۔

اسلامی ریاستِ مدینہ میں عرب و عجم، امیر و غریب، حاکم و محکوم اور آزاد و غلام کی تمیز کو بالا طاق رکھتے ہوئے انصار و مہاجرین باہم شیر و شکر شب و روز بسر کرتے تھے۔ یہی احساس ہی معاشرے میں قبائلی، نسلی اور زبانی اور علاقائی تعصّبات اور منافرت کے خاتمہ میں ممد و معاون ثابت ہوا۔ ریاست اسلامی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قومی، لسانی تعصّبات کے خاتمہ کیلئے سیرۃ النبی ﷺ سے استفادہ و رہنمائی حاصل کرے۔ اور رعایا کی اخلاقی تربیت کا خصوصی انتظام کرے اور ان کے اندر اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے کے لیے قومی و نجی سطح پر مختلف اسباب کو بروئے کار لائے اور مختلف علاقوں میں اس کام کے لیے اچھے بااخلاق کا تقرر کرے جو لوگوں کو اخلاقی اقدار سکھائے اور یہ بہت اہم ہے کیونکہ جو معاشرے اخلاقی سطح پر تنزلی کا شکار ہوتے ہیں وہ اگرچہ معاشی سطح پر بہت آگے ہوں لیکن لوگ ایسے معاشروں کو غیر ترقی یافتہ شمار کرتے ہیں اور ریاستی سطح پر اخلاقی اقدار کو سکھانے کا انتظام اور اس کے لیے لوگوں کی تقرریاں کرنا اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کام کے لیے خاص طور پر صحابہ کو مقرر فرمایا تھا جیسا کہ ابن عساکرؒ نے معاذؓ کے تعارف میں عبید بن صخر السلمیؓ سے روایت کیا ہے:

"فرق رسول الله (صلى الله عليه وسلم) عمال اليمن في سنة عشر بعد ما حج حجة التمام بعث معاذ بن جبل معلما لأهل البلدين اليمن وحضرموت وقال يا معاذ إذا قدمت عليهم فأقم فيهم كتاب الله وأحسن أدبهم وأقرئهم القرآن يحملهم القرآن على الحق وعلى الأخلاق الجميلة"[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے بعد یمن کے گورنروں کی تشکیل کی تو معاذؓ بن جبل کو یمن اور حضر موت دونوں شہروں کیلئے معلم بنا کر بھیجا اور فرمایا اے معاذ! جب تو ان کے پاس جائے تو ان میں کتاب اللہ کے احکامات کو نافذ کرو اور ان کو اچھے آداب سکھاؤ اور ان کو قرآن کی تعلیم دو کیونکہ قرآن ان کو حق کے کاموں پر اور اچھے اخلاق (اختیار کرنے) پر ابھارے گا"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام کی اخلاقی تربیت یہ ایک ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

۵۔ معاشی معاملات میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام ہمہ گیر ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی معیشت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کا ایک فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ مال و دولت کمانے کے ساتھ ساتھ خرچ کرنے میں بھی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار

[1] ابن عساکر، **تاریخ دمشق**، ۵۸: ۴۰۷

دیا امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت نقل کی ہے:

'' قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الِاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ ''[1]

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے"

مال و دولت کمانے کے بعد بھی جذبہ احساس ذمہ داری ختم نہیں ہوتا بلکہ مال و دولت کے تصرف میں بھی اسلامی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو مد نظر رکھا جائے تاکہ معاشی وسائل درست مصرف میں صرف ہوں۔ذاتی محنت سے کمانا اور دوسروں کے سامنے دست دراز نہ کرنا بھی احساسِ ذمہ داری کے جذبہ کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ آپ ﷺ کے دیے ہوئے تصور معیشت میں ہر شخص کو اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق فکر معاش اور کسب معاش کرنا لازم ہے۔امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب ''السنن الکبری'' میں روایت نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ''[2]

''رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے''

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشی معاملات میں اور خاص طور پر ایسا مال جس میں عوام کا حق ہو اپنے صحابہ میں فرض شناسی کو خاص طور پر کوٹ کوٹ کے بھرا تھا رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کا یک مختصر سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے ہوئے جہاں اور بہت ساری قیمتی ہدایات اور نصائح ارشاد فرمائے وہیں پر آپ نے عام عوام کے مال میں احتیاط کرنے کو زور دے کر سمجھایا۔حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:

''بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى اليَمَنِ، فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ، فَقَالَ: " أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ؟ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ، {وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ القِيَامَةِ}[آل عمران: 161]، لِهَذَا دَعَوْتُكَ، فَامْضِ لِعَمَلِكَ ''[3]

''آپ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا چنانچہ جب میں چل پڑا تو آپ ﷺ نے میرے پیچھے کسی کو بلانے کے لئے بھیجا چنانچہ میں واپس آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں پتہ ہے کہ میں نے تمہاری طرف آدمی کو بلانے کیلئے کیوں بھیجا ؟ کوئی چیز میری اجازت کے بغیر نہ لینا کیونکہ وہ خیانت ہے۔(اللہ تعالی کا ارشاد ہے) ,,اور جو بھی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا جو اس نے خیانت کرکے حاصل کیا۔[آل عمران:۱۶۱] یہ بات بتانے کے لیے میں نے تمہیں بلایا تھا چلو اب اپنے کام پر نکل پڑو''

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ارتکاز دولت کی ہر شکل کی مذمت اپنے قول و فعل دونوں سے فرمائی ہے. اپنی آسائشوں اور

---

[1] بیہقی، **شعب الایمان**، حدیث: ۶۱۴۸

[2] بیہقی، **السنن الکبریٰ**، حدیث: ۱۱۶۹۵

[3] ترمذی، **السنن**، حدیث: ۱۳۳۵

تسکین کے لیے مستحقین اور معاشرہ وریاست کے مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات کو مد نظر نہ کرکے دولت جمع کرنا ارتکاز مال کہلاتا ہے۔ چونکہ ارتکازِ دولت انسان تبھی کرتا جب وہ غیر ذمہ درانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے دوسروں کو مال ودولت سے محروم دیکھنا چاہتا ہے، لہٰذا شریعت نے اس طرح کے ناجائز ارتکاز مال کی کھلی ممانعت فرمائی ہے اور اس کو باعث عذاب شدید قرار دیا ہے تاکہ مال و دولت صرف مخصوص طبقات کے درمیان گردش نہ کرے بلکہ معاشرے کے تمام افراد مستفید ہوں۔

درج بالا معاشی اصلاحات کا سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام افرادِ معاشرہ کو خود غرضی، مفاد پرستی اور مال ودولت سے بے جا محبت کا حریص بننے سے روکتا ہے تاکہ دوسروں کے معاشی حقوق سلب نہ ہوں اور معاشرہ میں امدادِ باہمی کا جذبہ اور احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے جو جدید اسلامی ریاست کی تشکیل میں ناگزیر عناصر ہیں۔ بد قسمتی سے آج مملکت خداداد پاکستان کی معیشت پر قابض دولت مند طبقہ نے 20 کروڑ لوگوں کے انحطاط پذیر سماجی معاشی ڈھانچے میں اپنے پنجے گاڑھ رکھے ہیں جن کی وجہ سے عام افراد کیلئے ضروریات زندگی کا سامان بھی میسر نہیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں اور حکمت عملی اختیار کرے جس سے استحصال کی بجائے حکام وعمال اور عوام میں معاشی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔

۶۔ دفاعی اور عسکری میدان میں احساسِ ذمہ داری:

اسلام جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے تاکہ اسلامی ریاست کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹا جاسکے۔ امن اور جنگ کی حالت میں دفاع پر مامور افواج اور دیگر ادارے اس وقت بہترین دفاعی اور جارحانہ حکمت عملی اپنا سکتے جب وہ احساسِ ذمہ داری کے جذبہ سے سرشار ہو کر ریاست کے دفاع کیلئے کسی بھی قربانی سے گریز نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاستِ مدینہ کا دفاع اس انداز میں کیا کہ رہتی دنیا کیلئے بہترین دفاعی حکمت عملی کی مثال بنا دیا۔ چونکہ ریاستِ مدینہ ابھی وجود میں آئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ اور ارد گرد کے سب قبائل کو جمع کرکے مشترکہ حکومتی نظام کے ساتھ ساتھ مشترکہ دفاع کے معاہدہ کا اہتمام کرتے ہوئے ''میثاق مدینہ'' کے نام سے ایک معاہدہ کرلیا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں اس کے دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں اور غیر مسلموں سب پر ہوگی۔ بظاہر یہود کے ساتھ ایسا حساس معاہدہ اور اعتماد مشکل امر تھا۔ جبکہ ریاست کو درپیش بیرونی خطرات اور جنگ کی ممکنہ صورت میں ریاست کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہترین قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن سے معاہدہ امن کیا جسے ''صلح حدیبیہ'' کا نام دیا گیا جو بعد ازاں فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ لیکن دوسری طرف اسلامی ریاست پر حملہ اور جنگ کی صورت میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب کے موقع پر جنگ کے روایتی طریقوں سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا چنانچہ شہر کے دفاع کے لیے ارد گرد خندق کھودی گئی جس سے کامیاب دفاع کیا گیا۔ اس جنگ سے آن: ﷺ کی یہ سنت اور ذوق سامنے آیا کہ جنگ کے لیے جو طریقہ بھی وقت کی ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے اور دنیا کے تجربات سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

درج بالا دونوں واقعات اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ اسلام قیامِ امن کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور ریاست کے دفاع کیلئے معاہدات اور صلح کو جائز تصور کرتا ہے جس سے عسکری قیادت میں ریاست کے دفاع کے سلسلہ میں احساسِ ذمہ داری کا اندازہ کیا

جاسکتا ہے ریاست اور عسکری قیادت کیلئے سیرۃ النبی ﷺ میں راہنمائی ہے کہ ریاست کے اندرونی مسائل اور اندرونی خطرات سے نمٹنے کیلئے ریاست، حکمرانوں و عسکری قیادت کو احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر معمولی اقدامات کرے تاکہ ریاست کے دفاع کو اندرونی خلفشار اور سازشوں سے محفوظ کیا جائے۔

عصر حاضر میں جب دنیا جدید کیمیائی ہتھیاروں سے لیس ہے، جس میں جنگیں بڑے پیمانہ پر تباہی اور انسانیت کے قتل عام کے بغیر ممکن نہیں، ایسے حالات میں عسکری قیادتوں کیلئے اسوہ نبوی ﷺ کو مد نظر رکھتے ہوئے قیامِ امن، جذبہ خیر سگالی، اور انسانیت کا احترام مقدم رکھنا چاہیے تاکہ عسکری وسیاسی قوتوں کے جذباتی، ناپائیدار اور غیر ذمہ درانہ فیصلوں سے عالمی امن کو تباہ کرنے سے بچا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام انسانیت کے قتل کو سنگین جرائم میں شمار کرتا ہے، لہٰذا احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ دینے اور زمین پر فساد و خونریزی کے خاتمہ کیلئے ریاست اور عسکری قوتوں میں احساسِ ذمہ داری کو یوں فروغ دیتا ہے:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتل النَّاس جَمِيعًا"[1]

"جو شخص قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا ملک میں فساد کرنے کے تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو"۔

تاریخ کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اقوامِ عالم حالتِ جنگ میں تمام اصول و قواعد اور اخلاقیات کو عموماً بالائے طاق رکھتے ہوئے بے رحمی، سفاکی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں چنانچہ جنگِ عظیم اول و دوم میں کروڑوں افراد کا قتل کیا گیا لیکن دوسری طرف سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے تناظر میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگی و عسکری میدان میں بھی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انسانیت کے کم سے کم قتل، اور غیر جنگی افراد کے قتل کی ممانعت فرما کر انسانیت پر عظیم احسان فرمایا۔ عصر حاضر کے جنگی حالات میں سیرۃ النبی ﷺ کے اس پہلو کو مد نظر رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ریاست میں فتنہ وانتشار سے بچنے اور آپس میں اخوت و محبت کے جذبات کو فروغ دینے، افتراق و نفاق سے بچنا، قتل و غارت گری سے ہاتھ روکنا اور روز مرہ زندگی میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ریاست میں مقیم تمام افراد کا ذمہ ہے۔ چونکہ جذبہ خیر سگالی کے بغیر قیام امن کی کوشش ناکام رہتی ہے۔ لہٰذا قومی اور بین الاقوامی سطح پر رواداری اور جنگی و عسکری میدان میں احساسِ ذمہ داری کے جذبات کی ترویج اور وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر آج کے انسان کی بھی بنیادی ضرورت ہے۔

۷۔ مذہبی ودینی مسائل میں احساسِ ذمہ داری:

ریاست اور مذہب ودین کا تعلق نہایت گہرا و مضبوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں علمائے کرام کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ علمائے کرام کی معاشرتی ذمہ داری اور کرادار کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

[1] المائدۃ: ۳۲

'' وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ - فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ '' [1]

''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی رسول بھیجے ہیں اُن کی طرف وحی کی۔ پس تم اہل ذکر (علم) سے دریافت کرو اگر تم نہیں علم رکھتے''

ریاست اور رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ دینی و مذہبی مسائل کے حل کیلئے علمائے کرام سے رجوع کریں تاکہ قرآن و سنت اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں راہنمائی پائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علمائے کرام کی منزلت و شرف کی بدولت ہی فرمایا:

''إن العلماء ورثة الانبياء إن الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم'' [2]

'' بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے''

اور دوسری طرف علمائے کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قوم وملت کی راہنمائی کریں، کلمہ حق کیلئے کسی جابر کے جبر کی پرواہ کیے بغیر عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ریاست وامت کی راہنمائی کریں، جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أَحَبُّ الْجِهَادِ إِلَى اللهِ كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ لِإِمَامٍ جَائِرٍ'' [3]

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ جہاد ظالم بادشاہ کو حق بات کہنا ہے''۔

کلمہ عدل اور کلمہ حق کے سلسلہ میں اسلاف میں سے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہؒ کا طرزِ عمل بطور مثال موجود ہے جن کی علمی کاوشوں، استقامت اور احساسِ ذمہ داری کی بدولت بہت سی خرافات، بدعات اور بد عقیدگی معاشرے میں رائج نہ ہو سکیں۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمائے کرام کے حقیقی مقام و مرتبہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سلامتی اور حساس دینی موضوعات میں علمائے کرام سے مشاورت اور تجاویز کا احترام کریں تاکہ قانون سازی میں اسلامی احکامات کی بالا دستی قائم رہے اور ریاست میں مذہبی و مسلکی اختلاف کی صورت عوام الناس تشدد کا راستہ اپنانے کی بجائے علمائے کرام سے راہنمائی و علمی استفادہ کریں۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں واضح ہے علمائے کرام پر لازم ہے کہ معاشرے میں اختلاف وافتراق کو حوصلہ شکنی کرتے ہوئے بین المسالک و بین المذاہب ہم آہنگی کیلئے فضا ہموار کریں اور فروعی اختلافات کے سلسلہ میں برداشت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اتحادِ امت کا درس دیں۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم مسلمانوں کے حقوق کیلئے اسلامی ممالک کی تنظیم سے تعاون کرے نیز مسلمانوں کے حقوق کیلئے اقوامِ متحدہ سمیت ہر سطح پر آواز بلند کرے تاکہ ریاست کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔ ملکی قوانین پر عملداری کے سلسلہ میں بھی احساسِ ذمہ داری کا جذبہ ضروری و ناگزیر ہے جس کیلئے ریاست پر لازم ہے کہ وہ ایسے فتاویٰ جات جس سے قوم وملت میں نظم وضبط کا جذبہ اجاگر کیا جاسکتا ہو حوصلہ افزائی کریں، جیساکہ سعودی عرب کے ممتاز مفتی اعظم

---

[1] النحل: ۴۳

[2] ترمذی، السنن، حدیث: ۲۶۸۲

[3] طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث: ۸۰۸۰

شیخ عبداللہ بن بازؒ نے مقررہ حد سے زیادہ رفتار کے حادثات کی موت کو خود کشی قرار دیا۔[1] جس سے سعودی عربیہ میں تیز رفتاری کی ڈرائیورنگ میں قابل ذکر حد تک کمی آئی۔ آج جب وطنِ عزیز پاکستان اُن ممالک میں شامل ہے جہاں ٹریفک حادثات میں سب سے زیادہ اموات واقع ہوئی ہیں، ایسے وقت میں علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اِس فتویٰ کی روشنی میں عوام الناس پر واضح کریں کہ غیر ذمہ دارانہ ڈرائیورنگ اور خواہش نفس کی تکمیل کیلئے تیز رفتاری کے مقابلہ جات اور ون ویلنگ جیسے جان لیوا حادثات کی صورت میں موت خود کشی کی موت ہے جو اسلام میں حرام قرار دی گئی ہے، مزید برآں مصلحت اور سد ذرائع کے تحت ایسے جنازوں میں شرکت نہ کریں تاکہ زندگی کی حقیقی قیمت اور انسانی جان کی قدر و منزلت سے متعلق احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے۔

۸۔ ذرائع ابلاغیات اور احساسِ ذمہ داری:

انسانی زندگی میں ابلاغ و ترسیل کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے۔ اقوام عالم کی ثقافتی، تہذیبی، مذہبی، اور سیاسی ترقی کا دار و مدار ہی موثر ابلاغ کا مرہون منت ہے۔ اسلام نے فکر و نظر کی آزادی کے ساتھ ہمیشہ آزادیِ رائے کا احترام کیا ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے علماء اور دانشواروں پر لازم ہے کہ تمام ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے افرادِ معاشرہ کی اخلاقی تربیت کریں۔ لہٰذا ریاست اور میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں تک تحقیق شدہ اور مصدقہ خبریں پہنچائیں تاکہ مختلف امور و مسائل درست رائے قائم کرسکیں، چنانچہ ارشاد ہے:

''يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنوا إِن جاءَكُم فاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنوا أَن تُصيبوا قَومًا بِجَهالَةٍفَتُصبِحوا عَلىٰ ما فَعَلتُم نادِمينَ''[2]

''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ''

یہ حقیقت ہے کہ اکثر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوا کرتی ہے۔ اس لیے اختلاف و تفریق کے اس سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یونہی بلا تحقیق قبول نہ کیا جائے، بلکہ آپ ﷺ کے فرمان " تحقیق وتلاش، بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے، عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے"۔ کو مد نظر رکھتے ہوئے تصدیقِ اخبار پر یقین کیا جائے۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آزادی فکر کی آڑ میں سوشل میڈیا کے کردار کو لا محدود آزادی دینے کی بجائے محدود کرے، تاکہ ملکی سلامتی، دینی و مذہبی عقیدتوں اور جذبات کو آزادی فرد کی آڑ میں پامال نہ کیا جاسکے جیسا کہ آپ ﷺ نے ہر سنی سنائی بات کو پھیلانے اور عام کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے اسے بیان کردے۔[3]

اِبلاغیات کے ضمن میں اسلام کا اہم ترین ضابطہ یہ ہے کہ فحش کی اشاعت نہ کی جائے۔ معاشرے میں ایسی چیزوں کا سد باب کرنا چاہیے

[1] https://binbaz.org.sa/fatwas/15202/9ما-حكم-من-يموت-بسبب-زيادة-السرعة (Accessed 10 Dec, 2019)

[2] الحجرات: ٦

[3] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث: ۴۴۸۲

جو لوگوں کو بدکاری پر اکسائیں، ایسا کرنا فحش اور بے حیائی کو پھیلانا ہے، چنانچہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے ڈرامے، فلمیں اور ڈاکومنٹری کی اشاعت پر پابندی عائد کرے جو دینی، قانونی سماجی، اخلاقی اور ثقافت و تہذیب پر یلغار ہوں کیونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسے افعال سے متعلق سخت ممانعت ہے۔ اور اس قسم کے لوگوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی وعید ہے۔[1] درج بالا تعلیمات کی روشنی میں واضح ہے اسلامی ریاست کی تشکیل میں ذرائع ابلاغیات کا کردار نہایت اہم ہے، ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پرنٹ، کرنٹ، اور سوشل میڈیا سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے حدود و قیود اور اصول وضع کرے تاکہ ذرائع ابلاغ اپنا موثر کردار ادا کرکے صوبائی، لسانی وعلاقائی تعصب کے خاتمہ، غیر اخلاقی ڈراموں، فلموں، غیر اخلاقی اشتہارات کی نمائش کی روک تھام اور اسلامی و قومی تہذیب و ثقافت کے فروغ میں قوم وملت کی حقیقی نمائندگی کریں۔

مضمون ہذا کی تحقیق سے واضح ہے کہ اسلام دین فطرت ہے جو انسانوں کیلئے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت واسوہ انسانیت کیلئے کامل نمونہ اور ہدایت ہے۔ اسلام کے تصور ریاست میں احساسِ ذمہ داری بنیادی اقدار میں شامل ہے۔ احساسِ ذمہ داری کی بدولت ہی اقوام وملل عروج پاتے ہیں جبکہ بے حسی، غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی اقوام کی پستی اور زوال کا سبب بنتے ہیں۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام نے ریاست کا جو عظیم تصور پیش کیا اُس میں مقتدر طبقہ میں احساسِ ذمہ داری، سنجیدگی اور جواب دہی ملکی، قومی اور بین الاقوامی امن وسلامتی اور عدل وانصاف کے قیام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اسلام نے ریاست میں رہتے ہوئے حکمران ورعایا کیلئے عہد و پیمان کی پاسداری اور احساسِ ذمہ داری کو ایمان کا جزوِ لاینفک قرار دیتے ہوئے عہد و پیمان کی رعایت نہ برتنے پر ایمان واسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ دورِ جدید میں تربیتی فقدان اخلاقی پستی اور بیزار رویوں کی بدولت غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی زندگی کے تمام شعبہ جات میں واضح دکھائی دیتی ہے حالانکہ انسان جب زندگی میں قدم رکھتا ہے تو بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، لہٰذا مقام و مرتبہ عہدہ و مناصب کے اعتبار سے مختلف انسانوں پر مختلف ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ رعایا اور حکمران، امیر و غریب، حاکم و محکوم، آقا وغلام، مرد و عورت اور آجر واجیر حقوق وفرائض کی ادائگی میں جواب دہ اور ذمہ دار ہیں۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں مطالعہ واضح کرتا ہے کہ انفرادی واجتماعی، ملکی وسیاسی معاملات میں احساسِ ذمہ داری کا جذبہ، حقوق وفرائض کی بجاآوری ہی حقیقت میں عبادات اور عقائد کا فلسفہ ہے۔

نتائج وسفارشات:

سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں حسب ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت انسانیت کیلئے زندگی کے تمام شعبہ جات میں کامل نمونہ ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ جدید اسلامی ریاست کی بنیاد ریاستِ مدینہ کے قوانین واصول و ضوابط کو قرار دے کر جدید اسلامی ریاست تعلیم، سیاست، معیشت، اخلاقیات، سماجیات اور ابلاغیات میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ سے مکمل راہنمائی حاصل کی جائے تاکہ حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست کا خواب

[1] النور: ۱۹

پورا ہوسکے۔ سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ کی روشنی میں تعلیم کا حق سب کیلئے ہے لہٰذا تعلیم کے حصول کیلئے مساوی حقوق، مواقع اور شرح خواندگی میں اضافہ اور دینی تعلیم کے مراکز، مساجد اور مدارس دینیہ کی سرپرستی اور معاشی کفالت کا خصوصی اہتمام ریاست کی ذمہ داری ہے تاکہ علومِ دینیہ سے افرادِ معاشرہ میں اخلاقی اقدار کا فروغ اور احساسِ ذمہ داری کا جذبہ فروغ پائے۔

۲۔اسلامی تعلیمات اور سیرۃ النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اسلام سیاسی نظام کے قیام اور قانونی بالادستی پر زور دیتا ہے، لہٰذا اسلامی ریاست کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ سیاسی طبقہ میں سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں سیاستِ شرعیہ سے آگہی کیلئے خصوصی نصاب اور تربیتی واصلاحی سیمنیارز منعقد کروائے جائیں تاکہ عملی سیاسی میدان میں خدمتِ خلق اور احساسِ ذمہ داری ملحوظ رہیں۔

۳۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں قوم وملت کے دفاع کیلئے جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر جنگی تربیت حاصل کرنا اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگی حربے آزمانے سے متعلق افواج اور عسکری قیادت کی تربیت کا اہتمام از حد ضروری ہے۔اسلامی ریاست کی تشکیل میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمائے کرام کے حقیقی مقام و مرتبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی سلامتی اور حساس دینی موضوعات میں علمائے کرام سے مشاورت اور تجاویز کا احترام کریں تاکہ قانون سازی میں اسلامی احکامات کی بالادستی قائم رہے۔

۴۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں یہ امر عیاں ہے کہ اسلام میں اختلاف وافتراق کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، چنانچہ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں اختلاف وافتراق کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے بین المسالک و بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیں اور فروعی اختلافات میں برداشت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے مسلکی و مذہبی اختلافات کو کم کرنے میں ریاست کا ساتھ دیں۔اسلام میں مسلکی، مذہبی، لسانی، علاقائی اور قومی تعصّبات کا تصور نہیں لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں آگہی اور شعور کیلئے ایسے سیمینارز اور کانفرنسز کا اہتمام کیا جائے جس میں احساسِ ذمہ داری کا شعور بیدار کیا جائے تاکہ مذہبی، مسلکی، قومی، و نسلی اختلافات کی صورت عوام الناس تشدد کا راستہ اپنانے کی بجائے علمائے کرام سے راہنمائی و علمی استفادہ کریں۔

۵۔ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں معیشت کے اصول اور اخلاقیات کی ترویج کیلئے ریاست کے زیر اہتمام تاجر برادری اور معیشت سے وابسطہ افراد کی تربیت کا اہتمام کیا جائے تاکہ معاشرے سے ذخیرہ اندوزی، سودی لین دین، دھوکہ دہی اور دیگر برائیوں کا خاتمہ کیا جائے اور یہ احساس بیدار کیا جائے کہ مال و دولت کمانے کیلئے دوسروں کے حقوق پامال کرنا شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔مالی بدعنوانی (corruption) کے خاتمہ کیلئے تعلیمی اداروں میں بطور نصاب مالی بدعنوانی کے مفاسد اور شرعی و قانونی حکم سے متعلق تعلیم دی جائے اور سرکاری اور غیر سرکاری ادروں میں مالی واخلاقی بدعنوانی کے موضوعات پر سیمینارز کا اہتمام کیا جائے، مزید برآں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زبانِ نبوت سے مالی بدعنوان کیلئے لعنت کے الفاظ کا استعمال دنیوی واخروی ذلت کا سبب ہے، حقوق العباد کی حق تلفی کی بناء پر روزِ قیامت ایسے گناہِ عظیم کی تلافی بھی ممکن نہیں۔

۶۔اسلامی ریاست کی تشکیل میں ذرائع ابلاغیات کا کردار نہایت اہم ہے۔ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پرنٹ، کرنٹ، اور سوشل

میڈیا سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے حدود وقیود اور اصول وضع کرے تاکہ ذرائع ابلاغ اپنا موثر کردار ادا کرکے صوبائی، لسانی وعلاقائی تعصب کے خاتمہ، غیر اخلاقی ڈراموں، فلموں اور غیر اخلاقی اشتہارات کی نمائش کی روک تھام میں ریاست کی حقیقی نمائندگی کریں۔

@ 2019 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)